مقام علم حدیث اور اس کی درایت اور روایت جانچنے کے بعض طریق

بعض روایات پر اعتراضات کے جواب۔ مشہور حدیث بھی قابل قبول ہوتی ہے

مکرم مسعود احمد سلیمان صاحب

حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں۔

''مسلمانوں کے ہاتھ میں اسلامی ہدایتوں پر قائم ہونے کے لئے تین چیزیں ہیں۔(1) قرآن شریف جو کتاب اللہ ہے جس سے بڑھ کر ہاتھ میں کوئی کلام قطعی اور یقینی نہیں۔ وہ خدا کا کلام ہے اور شک اور ظن کی آلائشوں سے پاک ہے۔

(2) دوسری سنت، سنت سے مراد ہماری صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فعلی روش ہے جو اپنے اندر تواتر رکھتی ہے اور ابتداء سے قرآن شریف کے ساتھ ہی ظاہر ہوئی اور ہمیشہ ساتھ ہی رہے گی۔

(3) تیسرا ذریعہ ہدایت کا حدیث ہے اور حدیث سے مراد ہماری وہ آثار ہیں کہ جو قصوں کے رنگ میں آنحضرت ﷺ سے قریباً ڈیڑھ سو برس بعد مختلف راویوں کے ذریعوں سے جمع کئے گئے ہیں۔''

پھر فرماتے ہیں۔

''قرآن کریم کو اپنا پیشوا پکڑ واور ہر ایک بات میں اس سے روشنی حاصل کرو اور حدیثوں کو بھی ردی کی طرح مت پھینکو کہ وہ بڑی کام کی ہیں اور بڑی محنت سے ان کا ذخیرہ تیار ہوا ہے لیکن جب قرآن کے قصوں سے حدیث کا کوئی قصہ مخالف ہو تو ایسی حدیث کو چھوڑ دو تا گمراہی میں نہ پڑو۔''

''ہماری جماعت کا یہ فرض ہونا چاہئے کہ اگر کوئی حدیث معارض اور مخالف قرآن اور سنت نہ ہو تو خواہ کیسے ہی ادنیٰ درجہ کی حدیث ہو اس پر وہ عمل کریں۔''

ضعیف وموضوع احادیث:

جماعت احمدیہ محدثین کی اس عظیم کاوش کو قدر کی نگاہ سے دیکھتی ہے جنہوں نے دن رات احادیث کی صحت پر کام کیا اور اپنی بساط کے مطابق ہر حدیث کو پرکھنے کے لئے نہایت محنت سے معیار قائم کئے۔ عموماً محدثین کی توجہ زیادہ تر راویوں کے سوانح اکٹھے کرنے پر رہی کہ وہ کس قسم کے آدمی تھے اگر کسی میں ان کو کوئی کمزوری نظر آتی تو اس کی تمام بیان کردہ احادیث کو ضعیف یا موضوع قرار دے دیتے۔ اسی طرح راویوں کی تعداد کے لحاظ سے اور سلسلہ سند کے اتصال یا انفصال کے لحاظ سے اور راویوں کے حالات وغیرہ کے اعتبار سے حدیث کی بہت سی قسمیں بنتی چلی گئیں۔ مگر یاد رہے کہ یہ سارا علم ظنی مرتبہ سے آگے نہیں بڑھ سکتا کیونکہ ایسا بارہا ہوا ہے کہ ایک راوی ایک محدث کے نزدیک ثقہ ہے اور دوسرے محدث کے نزدیک ضعیف ہے۔ کیونکہ ماضی کی تاریخ کو چھاننا اور درست حالات معلوم کرنا آسان کام نہیں تھا۔

اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ ایک راوی جھوٹ بھی بولتا ہے تو یہ کیسے قطعیت سے کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس کی ہر روایت جھوٹی ہے۔ کیونکہ عموماً جھوٹ بولنے والا سچی باتیں بھی تو کرتا ہے یہ تو کبھی نہیں ہوا کہ ایک شخص ہر بات ہی جھوٹی کہے۔ ہاں ایک صورت ہے کہ وہ شخص خود بیان کردے کہ یہ روایت میں نے گھڑی ہے تب تو اس کے بارے میں ہم قطعیت سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ موضوع روایت ہے۔ چنانچہ اصول حدیث کی مشہور کتاب نزھة النظر شرح نخبة الفکر میں موضوع کی تعریف میں لکھا ہے۔

کہ راوی پر جھوٹ کے طعن کے اعتبار سے پہلی قسم موضوع ہے کسی روایت پر وضع کا حکم ظنی ہوتا ہے نہ کہ یقینی کیونکہ بہت زیادہ جھوٹ بولنے والا بھی کبھی سچ بھی بولتا ہے۔

اس سلسلہ میں قرآن کریم بھی ہماری راہنمائی کرتا ہے کہ

کہ اگر ایک فاسق بھی تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اس کو بھی اس لئے نہ رد کردو کہ وہ فاسق ہے اس کی ہر بات قابل رد ہے بلکہ یہ تحقیق کرلیا کرو کہ وہ جو بات کہہ رہا ہے وہ درست ہے یا غلط۔ (الحجرات: 7) پس دیکھیں کہ امام الزمان نے کس قدر عین قرآن کریم کے مطابق اس اہم نزاع کو فیصل فرمایا کہ خواہ کوئی ضعیف سے ضعیف روایت ہی کیوں نہ ہو چونکہ وہ ہمارے آقا و مولیٰ ﷺ کی طرف منسوب ہوتی ہے اس لیے اسے قبول کرلو مگر ایک شرط پر کہ وہ قرآن کریم کی تعلیمات کے خلاف نہ ہو۔ اگر وہ قرآن کی تعلیمات کے عین مطابق ہے تو عقلاً اسے قبول کرنے میں کوئی نقصان نہیں لیکن چھوڑنے میں نقصان ہے کہ اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کی ایک بات کو نظر انداز کرکے ثواب سے محروم ہو رہے ہوں گے۔

اہل کشف اور احادیث:

تاریخ میں ایسے بعض علماء ربانی کا ذکر ملتا ہے جو کشف میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش ہوئے اور بعض ایسی احادیث پیش کیں جن پہ اعتراض ہوتے تھے اور ان احادیث کی تصدیق کروانی چاہی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی تصدیق فرمائی کہ یہ میری ہی احادیث ہیں۔ مثلاً احمد بن مسعود بن سداد المقری الموصلی، محمد بن خالد الصدفی التلمسانی نے بعض معاملات میں رویا میں تصدیق کروائی۔

(الفتوحات المکیہ۔ الجزء الرابع 484۔ 543 مطبع داراحیاء التراث العربی بیروت۔ لبنان)

امام شعرانی نے بھی ایسے بہت سے علماء ربانی کا ذکر فرمایا ہے بلکہ وہ ان اہل کشوف علماء کو محدثین سے بھی زیادہ قابل اعتبار قرار دیتے ہیں کیونکہ مجتہدین کی کوشش میں تو پھر بھی کمی رہ سکتی ہے اور یقین حاصل نہیں ہوسکتا جبکہ اہل کشف تو براہ راست حدیث سن کر یقین کے مقام پر قائم ہوتے ہیں۔ گویا اہل کشف ایک لحاظ سے صحابہ کے مرتبہ میں داخل ہیں کیونکہ وہ براہ راست حدیث سنتے ہیں۔ چنانچہ امام شعرانی نے ایسے کئی علماء کے نام دیئے ہیں مثلاً الشیخ عبدالرحیم القناوی۔ الشیخ ابی مدین الغربی۔ ابوسعود بن ابی العشائر۔ الشیخ ابراہیم الدسوقی، الشیخ ابی الحسن۔ الشیخ ابی العباس المرسی۔ الشیخ ابراہیم المتبولی، الشیخ جلال الدین السیوطی، الشیخ احمد الزواوی البحری اور وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنی کتاب طبقات الاولیاء میں ایسے علماء کی ایک جماعت کا ذکر کیا ہے۔ وہ حضرت امام سیوطی کا ایک دلچسپ واقعہ بھی لکھتے ہیں کہ ایک شخص نے آپ سے حاکم وقت کے پاس جا کر ان کی سفارش کرنے کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا۔

یعنی اے میرے بھائی میں رسول اللہ ﷺ کو اب تک 75 بار بیداری میں اور بالمشافہ مل چکا ہوں اور اگر مجھے اس بات کا خوف نہ ہوتا کہ بادشاہوں کے پاس جانے سے آپؐ مجھ سے پردہ کرلیں گے تو میں قلعہ میں جاتا اور بادشاہ سے تیری سفارش کرتا۔ میں تو رسول اللہ ﷺ کی احادیث کا خادم ہوں اور ان احادیث کو جنہیں محدثین ضعیف قرار دے چکے ہوتے ہیں آپؐ سے تصدیق کروانے کا محتاج ہوں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ کام تیرے کام سے زیادہ اہم ہے۔

(المیزان الکبریٰ۔ الجزالاول صفحہ: 31,22,9 مطبع دارالفکر۔ بیروت لبنان)

علامہ شعرانی مثال کے طور پر حدیث اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم۔ کا حوالہ دیتے ہیں کہ یہ روایت محدثین کے نزدیک تو ضعیف ہے مگر اہل کشف کے نزدیک صحیح ہے۔ (صفحہ: 22)

پس اس اعتبار سے تو راویوں پر زیادہ غور کرنے کی بجائے متن حدیث یا الفاظ حدیث پر غور کرنا چاہئے کہ ان میں کیا پیغام ہے اور وہ کیسا ہے۔

کیا صحاح ستہ کے علاوہ تمام احادیث ادنیٰ درجہ کی ہیں:

یہ کہنا کہ یہ روایت صحاح ستہ میں سے نہیں ہے۔ کوئی معقول عذر نہیں ہے کیونکہ بہت سی احادیث صحیحہ صحاح ستہ سے باہر ہیں جو مختلف کتب احادیث، تفاسیر، تاریخ اور لغت وغیرہ میں بکھری پڑی ہیں۔ حضرت امام بخاری فرماتے ہیں کہ

میں نے 16 سال میں صحیح بخاری لکھی ہے اور میں نے چھ لاکھ احادیث میں سے یہ کتاب مرتب کی ہے۔

(تہذیب الکمال فی اسماء الرجال جلد 16 صفحہ: 95 مطبع دارالفکر بیروت)

جبکہ صحیح بخاری میں 4 ہزار کے قریب احادیث ہیں۔ ممکن ہے کہ کوئی سمجھے کہ باقی سب روایات درست نہ تھیں مگر ایسا نہیں آپؒ خود فرماتے ہیں۔

میں نے اس صحیح بخاری میں صرف صحیح روایات درج کی ہیں اور باقی صحیح روایات کو طوالت کے خوف سے ترک کردیا ہے۔

(تہذیب الکمال فی اسماء الرجال جلد 16 صفحہ: 95 مطبع دارالفکر بیروت)

پس احادیث کی تعداد تو لاکھوں میں ہے جبکہ صحاح ستہ کی کل احادیث بغیر تکرار کے شائد 20 ہزار سے قریب ہوں۔ دراصل یہ صحاح ستہ یا دیگر احادیث کی کتب جنہوں نے بھی لکھیں انہوں نے اپنے خاص ماحول میں مرتب کیں جن احادیث کا اس زمانے کے باہمی مباحث سے تعلق تھا وہ انہوں نے ضرور درج کی ہیں لیکن یہ ضروری نہیں کہ ان کی نظر آئندہ آنے والے تمام زمانوں پر ہو۔ چنانچہ بعض آئندہ آنے والے علماء نے اپنے زمانے یا مذاق کے مطابق جو ذخیرہ ان کے پاس اسی معیار کی احادیث کا تھا انہوں نے جمع کیا ایسی کتب کو مستدرک کا نام دیا گیا ہے مثلاً امام حاکم نے صحیحین پر مستدرک لکھی ہے یعنی وہ احادیث جو امام بخاری و امام مسلم کے معیار پر اترتی ہیں مگر ان کی کتب میں درج نہ ہوسکیں وہ انہوں نے اس کتاب میں درج کردی۔ بہر حال ہم ان محدثین کی اس عظیم کاوش کی قدر کرتے ہیں کہ انہوں نے شریعت کا یہ عظیم خزانہ ہمارے لئے محفوظ کردیا۔

صحیح احادیث بھی قابل غور ہیں:

آخر میں ایک اہم امر کی طرف توجہ دلانی مقصود ہے کہ آخر یہ کیوں حضرت مسیح موعود نے شرط لگا دی کہ ہر حدیث کو قبول کرنے سے قبل قرآن پر ضرور پیش کرلو اگر وہ معارض قرآن ہو اور کوئی صورت تطبیق کی نہ نکلے تو اسے چھوڑ دو۔ گویا صحیح احادیث کے لئے بھی یہ شرط ہے۔ اسے سمجھنے کے لئے صحیح بخاری جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے میں سے ایک مثال پیش ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ عمر نے صہیب کو رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث سنائی کہ میت پر اس کے اہل و عیال کے نوحہ کرنے پر اسے عذاب دیا جاتا ہے تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اللہ رحم کرے عمر پر۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا تھا بلکہ یہ فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کافر کے عذاب کو اس پر نوحہ کرنے کی وجہ سے بڑھا دیتا ہے۔

(صحیح بخاری کتاب الجنائز: باب قول النبی ﷺ یعذب المیت ببکاء اھلہ)

اب دیکھیں صحابہ کا دور ہے حضرت عمرؓ نہ صرف کبار صحابہ سے ہیں بلکہ دوسرے خلیفہ راشد ہیں مگر مضمون اور تھا جس کی حضرت عائشہؓ نے اصلاح فرما دی۔ پس ایک ثقہ راوی سے بھی تو غلطی کا امکان موجود رہتا ہے۔

اسی طرح حضرت عائشہؓ نے ایک اور روایت میں بھی صحابہؓ کی اصلاح فرمائی۔ دو شخص حضرت عائشہؓ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ابوہریرہ یہ روایت بیان کر رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

کہ عورت اور جانور گھر میں نحوست ہے۔ تو آپؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے تو یہ فرمایا تھا کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ ایسا گمان کرتے تھے کہ ان چیزوں میں نحوست ہے۔ (بخاری کتاب الجہاد باب ما یذکر فی شوم الفرس) پس جو پیمانہ حضرت مسیح موعود نے بحیثیت حکم وعدل عطا فرمایا ہے وہی صراط مستقیم ہے اور اسی میں برکت ہے۔ اس کو چھوڑنا اعتدال اور راہ راست کو چھوڑنا ہے۔

وہ روایات جن پر اعتراض کیا گیا ہے

روایت نمبر 1: ایک عورت رسول اللہ ﷺ پر کوڑا پھینکا کرتی تھی جب وہ بیمار ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے اس کی عیادت کی تو اسے اپنے کئے پر ندامت ہوئی۔

اگرچہ یہ روایت مستند بنیادی ماخذ سے تا حال ہمیں دستیاب نہیں ہوسکی۔ مگر جب ہم غور کرتے ہیں تو کئی پہلو سامنے آتے ہیں

(1) علماء محدثین کے نزدیک حدیث کی ایک قسم ''مشہور'' ہے۔ اس کی تعریف میں لکھا ہے کہ ایسی روایت جن کے راوی ہر دور میں کم از کم تین ضرور رہے ہوں۔ ایک مشہور کی یہ قسم بھی ہے کہ جو روایت زبان زد عام ہو خواہ اس کا ماخذ معلوم نہ ہو۔ (تیسیر مصطلح الحدیث: 23) حضرت امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ چار احادیث مشہور ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب ہوتی ہیں مگر ان کی سند نہیں ملتی (مقدمہ ابن صلاح: 134) یہ روایت بھی مشہور کے درجہ میں ہے جو زبان زد عام ہے۔

(2) کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ موضوع بھی ہوسکتی ہے۔ لیکن غور کرنے پر معلوم ہوگا کہ ایسا نہیں کیونکہ روایت وضع کرنے کا کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے۔ مثلاً اپنا یا اپنے خاندان کا ذاتی مفاد، امراء کی خوشنودی، بعض صوفیاء وغیرہ نیکی کی ترغیب اور بدی سے بچنے کے لئے بہت زیادہ ثواب اور بہت زیادہ سزا کی روایات بنا لیتے ہیں۔ مگر ہر ایک کا کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے۔ مندرجہ بالا روایت میں کوئی ایسا مقصد نظر نہیں آرہا کہ کسی نے اپنی طرف سے گھڑی ہو۔

روایت نمبر 2: اصحابی کالنجوم

یہ روایت چار صحابہ سے مروی ہے جن میں حضرت جابرؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابن عمرؓ شامل ہیں اور متعدد علماء نے اسے درج کیا ہے۔ اگرچہ اس کی اسناد کے بعض راویوں پر جرح کی گئی ہے مگر اہل حدیث کے نزدیک جب ایک روایت کی مختلف ضعیف اسناد ہوں تو وہ مل کر حسن لغیرہ کا درجہ پالیتی ہیں۔ نیز اس سے ملتی جلتی بعض صحیح روایات بھی ہیں جو اس روایت کو مزید تقویت دے رہی ہیں۔ مثلاً امام بیہقی فرماتے ہیں کہ ابوموسی اشعری سے مسلم نے یہ روایت نکالی ہے کہ ''النجوم امنة اهل السماء فاذا ذهبت النجوم اتى اهل السماء ما يوعدون و اصحابى امنة لامتى فاذا ذهب اصحابى اتى امتى ما يوعدون'' (التلخيص الحبير فى تخريج الاحاديث. باب ادب القضاء) مضمون اس حدیث کا بعینہ وہی ہے پس اس روایت کو بھی رد کرنے کا کوئی جواز نہیں۔

روایت نمبر 3: علماء کی سیاہی اور شہید کے خون کا وزن۔

اس روایت کو ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم و فضله میں بسند مرفوع حضرت ابودرداء سے نقل کیا ہے۔ اسی طرح اس مضمون کی روایت کو خطیب بغدادی نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے نقل کیا ہے اور ضعیف قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں سوائے محمد بن الحسن کے شائد اس نے اسے گھڑ لیا ہو۔ (جمع الجوامع حرف الواو۔ روایت نمبر 172) اس کے علاوہ اسے شیرازی نے الالقاب میں حضرت انسؓ سے اور المرهبی نے حضرت عمران بن حصینؓ سے اور ابن الجوزی نے العلل میں حضرت نعمان بن بشیرؓ سے اور دیلمی نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے۔ پس یہ روایت کئی صحابہؓ سے مروی ہے اگرچہ اکثر نقاد نے اس کی سند پر جرح کی ہے شائد اس لئے بھی اس روایت پر زیادہ جرح کی گئی ہے کیونکہ اس مضمون کی روایت کسی مفاد کی خاطر بنائی جاسکتی ہے۔ تاہم قطعیت کے ساتھ کسی نے نہیں کہا کہ فلاں شخص نے اسے گھڑا ہے بعض کمزور راویوں پر شک کا اظہار کیا گیا ہے۔ ممکن ہے کہ اس لئے بھی اسے قبول کرنے سے اعراض کیا گیا ہو کہ اس کا مضمون بظاہر درست دکھائی نہیں دے رہا۔ تاہم اگر غور کیا جائے تو جس طرح شہید کا خون بھی قوم کی زندگی کا پیغام لاتا ہے اسی طرح علماء اپنے قلم سے جو علم پھیلاتے ہیں وہ بھی قوم کو نئی زندگی عطا کرتا ہے انہیں جہالت سے باہر نکالتا ہے۔ بلکہ ان کا پھیلایا ہوا علم تو صدقہ جاریہ بن جاتا ہے اس پہلو سے یہ بھی قرآنی تعلیم کے مطابق روایت ہے۔

روایت نمبر 4: اطلبو العلم ولو بالصین۔

اگرچہ اس روایت کے راویوں پر بھی نقاد حدیث نے بہت جرح کی ہے۔ مگر علامہ سیوطی نے ان کا تعاقب بھی کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ابن حبان کا یہ کہنا کہ حسن بن عطیہ ضعیف ہیں، درست نہیں کیونکہ ان سے امام بخاری نے تاریخ میں روایات لی ہیں اور ابو زرعہ نے بھی اور امام ترمذی نے بھی روایت کی ہے۔ اور اس روایت کو بیہقی نے اور ابن عبدالبر نے حسن راوی سے ہی درج کیا ہے۔ نیز وہ کہتے ہیں کہ اس کی دو اور اسناد بھی ہیں۔

(اللآلي المصنوعة. الجز الاول: 175 مطبع دار الكتب العلميه بيروت، لبنان)

اس روایت کے راوی یعقوب پر جرح کی گئی ہے مگر لسان میں ہے کہ ان سے شیوخ کی ایک جماعت نے روایت کی ہے۔ ہاں بعض نے انہیں ضعیف کہا ہے مگر بعض نے انہیں ثقہ کہا ہے۔ مسلمہ بن قاسم کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ لوگ ان سے روایات لکھتے ہیں تو میں نے بھی لکھ لی میرے نزدیک وہ ایک صالح راوی ہیں اور ان سے حدیث لینا جائز ہے۔ (ایضاً: 175)

پس دیکھیں کہ اس طرح کی بحثوں سے کسی حتمی نتیجہ پر نہیں پہنچا جاسکتا کیونکہ ایک شخص کے بارے میں دو مختلف آراء ہوسکتی ہیں۔ اس لئے کیسے ہم اس کے بارے میں فیصلہ کرسکتے ہیں پھر جو اس کے بارے میں رائے دے رہے ہیں انہوں نے اسے کس قدر پرکھا ہے۔ یہ بھی محل نظر ہے اور کیا ان کی رائے درست تھی یا نہیں یہ بھی محل نظر ہے۔ پس ان تمام شکوک وشبہات کے ہوتے ہوئے کیونکر ہم کسی پر بدظنی کرسکتے ہیں۔ ہاں اگر تمام کے تمام نقاد کسی کے خلاف ہوں تب بھی ہم صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ ممکن ہے کہ اس نے اس روایت کے بیان کرنے میں سچ سے کام نہیں لیا کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ جھوٹے سے جھوٹا انسان بھی بہت سی سچی باتیں بھی کرتا ہے۔ دراصل جن روایات کے موضوع ہونے پر اتفاق کیا گیا ہے وہ وہی ہیں جو کسی مفاد پرست نے بنائیں اور اس سے فائدہ اٹھایا یا وہ قرآن اور سنت کے واضح برخلاف تھیں یا کسی وضاع نے خود اقرار کرلیا کہ یہ یہ روایات میں نے گھڑی ہیں۔ ان کے علاوہ باقی تمام جرح ظنی ہے۔

اس روایت کو بھی کسی کو گھڑنے کی کیا ضرورت تھی۔ ان تمام راویوں میں چین کا تو کوئی راوی نہیں تھا تا کہ خیال جاتا کہ وہ اپنے ملک کی طرف لوگوں کو متوجہ کرنا چاہتا ہے۔ ہاں اگر نفس مضمون کو دیکھیں تو نہ صرف اس کے قبول کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ بین السطور اس میں ایک نہایت شاندار پیشگوئی بھی پائی جاتی ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ چین علم کے لحاظ سے دنیا کے ممتاز ملکوں میں شمار ہوگا۔ اس لئے کسی کے دل میں خیال نہ آئے کہ وہ مسلمان ہیں یا نہیں علم سب کا مشترکہ ورثہ ہے۔ ہر کسی کو علم حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے خواہ چین جا کر۔

روایت نمبر 5: حب الوطن من الایمان

اسے اگرچہ علامہ صغانی نے موضوع قرار دیا ہے مگر المقاصد میں انہوں نے کہا کہ میں اس سے واقف نہیں ہوں۔ (کشف الخفاء المجلد الاول: 345)

یہ روایت بھی کثرت کے ساتھ علماء نے اپنی کتب میں درج کی ہوئی ہے اور شہرت یافتہ ہے۔ غور کرنے پر اس کو وضع کرنے کا کوئی جواز نظر نہیں آتی اور اس کا مضمون بھی عین قرآنی تعلیم کے مطابق ہے۔ اس لئے حسن ظن سے کام لیتے ہوئے اسے قبول کرنا چاہئے۔

روایت نمبر 6: رجعنا من جهاد الاصغر الى الجهاد الاكبر۔

اس حدیث پر روایت اور درایت کے اعتبار سے جرح کی گئی ہے یہ کہنا کہ یہ روایت بارہویں صدی میں سامنے آئی ہے درست نہیں کیونکہ محمد بن محمد ابوالغزالی نے اپنی کتاب میزان العمل میں بھی اس کا تذکرہ کیا ہے جبکہ ان کی وفات 505ھ میں ہوگئی تھی۔ یہ روایت بھی متعدد کتب میں درج ہے۔ دیلمی، ابن نجار، بیہقی، سیوطی اور بغدادی وغیرہ نے بھی اسے لیا ہے۔

جہاں تک درایت کے اعتبار سے اس پر جرح کی گئی ہے تو وہ کسی طور پر درست نہیں کیونکہ جو روایات جہاد کی فضیلت میں پیش کی گئی ہیں وہ بھی درست ہیں اور یہ روایت بھی درست ہے۔ اس سلسلہ میں یاد رکھنا چاہئے کہ

(1) جہاد سے مراد صرف جہاد بالسیف نہیں ہے۔ جہاد ایک وسیع لفظ ہے جس کے معنی اللہ کے رستے میں کوشش کرنا ہے۔ چنانچہ کئی موقعوں پر رسول اللہ ﷺ نے اسے دوسرے معنوں میں بھی استعمال فرمایا جیسے کہ صحیح بخاری کی روایت ہے کہ ایک شخص نے جب جہاد کی اجازت طلب کی تو فرمایا کہ کیا تیرے والدین زندہ ہیں؟ اس نے عرض کی کہ ہاں یارسول اللہ تو آپؐ نے فرمایا ففيهما فجاهد

(بخاری کتاب الجہاد باب الجہاد باذن الابوین)

کہ پھر ان میں جا کر جہاد کر یعنی ان کی خدمت کر یہی تیرا جہاد ہے۔ جہاد بالمال کے بارے میں بھی متعدد احادیث مروی ہیں اور قرآن کریم نے بھی بیان فرمایا ہے۔ جنہوں نے اس روایت کو قبول کرنے سے انکار کیا ہے غالباً ان کے نزدیک بھی جہاد کے معنی صرف جہاد بالسیف ہوں گے۔ جو بہرحال درست نہیں۔

(2) جہاد بالسیف جو شرائط کے ساتھ محدود ہے اور محدود وقت کے لئے ہوتا ہے۔ جب شروع ہو جائے تو یقیناً اس وقت قتال ہی افضل عمل ہوگا۔ اس لئے وہ تمام روایات جو جہاد بالسیف کی فضیلت کے بارے میں بیان ہوئی ہیں وہ بھی اپنی جگہ درست اور قابل قبول ہیں۔ جہاد اصغر کہنے سے اس کی فضیلت ختم نہیں ہوتی۔

(3) کیا جہاد بالسیف کو جہاد اصغر کہنا غلط ہے۔

یہ کم فہمی ہے کیونکہ خود قرآن کریم نے جہاں جہاد بالقرآن کے بارے میں بڑی شدومد سے تعلیم دی وہاں فرمایا فجاھدھم بہ جھاداً کبیراً (الفرقان: 53) کہ اس قرآن کے ساتھ جہاد کبیر کر۔ پس قرآن کی تعلیم پر عمل کرنا اور اس سے دوسروں کو روشناس کروانا جہاد کبیر ہے۔ بعینہٖ یہی مضمون حدیث بیان کر رہی ہے۔ اس لئے کوئی تضاد نہیں ہے۔ بلکہ یہ روایت اس آیت کی تفسیر ہے اس لئے کیسے اسے موضوع قرار دیا جا سکتا ہے۔

(4) یہ کہنا کہ جو کہتے ہیں کہ جہاد بالنفس افضل ہے۔ اس لئے غلط ہے کہ حدیث میں آتا ہے کہ کسی نے پوچھا کہ یا رسول اللہ کیا وجہ ہے کہ قبر کی آزمائش میں تمام مومن مبتلا کئے جائیں گے سوائے شہداء کے تو فرمایا کہ تلواروں کی چمک جوان کے سروں پر ہوتی ہے وہی ان کے لئے کافی ہو جاتی ہے۔ (یہ روایت صحیح الجامع سے لی گئی ہے۔ جو صحاح ستہ میں سے نہیں ہے)

(5) اسی مضمون کی بہت سی اور روایات بھی ہیں مثلاً ترمذی نے یہ روایت بیان کی ہے کہ **المجاھد من جاھد نفسہ فی طاعۃ اللہ عز و جل**۔ ابن نجار نے یہ روایت نکالی ہے **عن ابی ذر قال قلت یا رسول اللہ ای الجھاد افضل قال ان یجاھد الرجل نفسہ و ھواہ** (کنزالعمال۔ جز رابع)

شہید کی یہ روایت محل نظر ہے کیونکہ اگر صرف شہید کا حساب کتاب نہیں ہوتا تو کیا صدیق اور انبیاء کا حساب کتاب ہوتا ہے۔ حالانکہ قرآن کریم نے جو درجات بتائے ہیں ان میں سب سے افضل درجہ نبی کا ہے دوسرا درجہ صدیق کا ہے تیسرا درجہ شہید کا ہے اور آخری درجہ صالح کا ہے (النساء: 70) اگر شہید کا امتحان نہیں ہوتا تو انبیاء اور صدیقوں کا تو بدرجہ اولیٰ امتحان نہیں ہونا چاہیے۔ نیز یہ بھی درست نہیں کہ ہر میدان جنگ میں شامل ہونے والا جس کے سر پر تلواریں ٹکرا رہی ہوں وہ سب مراد ہیں کیونکہ احادیث اور تاریخ کا مطالعہ کرنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ بعض نہایت جوانمردی سے لڑنے والوں کو رسول اللہ ﷺ نے جہنمی قرار دیا۔

روایت نمبر 7۔ لا المھدی الا عیسی ابن مریم۔

اسے منکر اور ضعیف کہا گیا ہے۔ حدیث کی ثقاہت اور ضعف کے مضمون کو سمجھنے کے لحاظ سے یہ روایت بہت اہم ہے۔ اس کے ایک راوی محمد بن خالد الجندی پر بعض محدثین کی طرف سے جرح کی گئی ہے۔ جبکہ اسی راوی کو بعض نقاد حدیث نے ثقہ قرار دیا ہے اور ان سے روایات لی ہیں جیسے امام شافعیؒ جو زبردست نقاد ہیں نے ان سے روایات اخذ کی ہیں پس ان کے مطابق یہ ثقہ راوی ہیں اسی طرح ابن معین نے اس کو ثقہ قرار دیا ہے (تہذیب التھذیب 9: 144) پس کسی محدث کی رائے کو ہی حتمی قرار دے دینا ہرگز درست نہیں۔ عموماً دیکھا گیا ہے کہ اگر کسی نے کسی کو ضعیف کہا ہے تو دوسرے نے ثقہ کہا ہے۔ پھر جنہوں نے ضعیف کہا ہے ان کی تحقیق بھی کبھی حرف آخر نہیں ہو سکتی اور اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ اس راوی کو جھوٹ بولنے کی عادت ہے تو پھر بھی یہ ثابت کرنا کہ وہ معین روایت بھی اس نے گھڑی ہے آسان نہیں اور جب ہم وجہ وضع تلاش کرتے ہیں تو کوئی وجہ نظر نہیں آتی کیونکہ اس روایت کو بنا لینے سے کسی کو کوئی فائدہ نہ پہنچنا تھا بلکہ عوام الناس اور بعض علماء کے عقیدہ کے بھی یہ خلاف روایت تھی اس لئے عقلاً کسی وضاع کے ذہن میں یہ روایت نہیں آسکتی۔

جب اس روایت کو ہم قرآن کریم پر پیش کرتے ہیں تو اسے مانے بغیر چارہ نہیں رہتا۔ کیونکہ قرآن کریم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وفات شدہ مانتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو وفات پا جائے وہ دوبارہ دنیا میں نہیں آسکتا۔ جبکہ احادیث کثرت کے ساتھ بلکہ تواتر کے ساتھ خبر دے رہی ہیں کہ مسیح علیہ السلام نے امت میں نازل ہونا ہے اب یا تو ان تمام احادیث کو جو نہ صرف ثقہ ہیں بلکہ تواتر کے درجہ پر پہنچی ہوئی ہیں رد کرنا پڑے گا جو امر محال ہے۔ تو پھر صرف ایک ہی رستہ باقی رہ جاتا ہے کہ یہ پیشگوئی استعارے کی زبان میں بیان ہوئی ہے اور مسیح کا آنا ان کے کسی مثیل کا آنا ہے۔ چنانچہ یہ حدیث ہماری اس تطبیق کی تصدیق کرتی ہے کہ مسیح کے آنے سے مراد ان کے مثیل کا آنا ہے جو امام مہدی ہیں۔ گویا امام مہدی کو ہی مسیح کا خطاب دیا جائے گا اور وہی مسیح موعود ہوں گے۔

اس حوالے سے جب ہم اس روایت کے متابع و شواہد تلاش کرتے ہیں تو بہت سی روایات ملتی ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ امام مہدی ہی مسیح موعود ہوں گے یا مسیح موعود ہی امام مہدی ہوں گے۔ جیسے فرمایا۔

یوشک من عاش منکم ان یلقی عیسیٰ ابن مریم اماما مھدیا و حکما عدلا (مسند احمد بن حنبل 2:411)

پس یہی ایک معیار کسی حدیث کو پرکھنے کا سب سے عمدہ اولیٰ اور افضل ہے کہ اسے قرآن کریم پر پرکھا جائے۔

روایت نمبر 8 سید القوم خادمھم

اس روایت کو حضرت ابو قتادہؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے خطیب بغدادی نے روایت کیا ہے۔ اسی طرح ابو نعیم نے اربعین میں حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے (کنزالعمال 6: 404۔ باب السفر، آداب متفرقۃ) یاد رہے کہ محدثین کے نزدیک اگر ایک ہی روایت کی دو اسناد مل جائیں اور اگرچہ وہ دونوں ہی ضعیف ہوں تو مل کر وہ حسن لغیرہ بن جاتی ہیں۔ پس جب اس حکیمانہ حدیث کی ایک سے زائد اسناد ہیں تو یہ حسن کے درجہ میں داخل ہو جاتی ہیں اور ایسی روایت کو حسن لغیرہ کہتے ہیں۔

روایت نمبر 9: قریش مکہ کے مطالبہ پر رسول اللہ ﷺ کا فرمانا کہ سورج کو میرے دائیں ہاتھ پر اور چاند کو میرے بائیں ہاتھ پر بھی لا کر رکھ دیں تو میں اس کام سے رک نہیں سکتا۔

اس روایت کو ضعیف کہا گیا ہے۔ حالانکہ بہت سی تاریخ کی کتب میں بھی یہ روایت درج ہے۔ یاد رہے کہ اگر اس طرح کسی راوی کی کسی کمزوری کی بنا پر اس کی تمام روایات کو چھوڑ دیا جائے تو پھر دنیا کی تمام تاریخ ہی موضوع قرار پائے گی اور تاریخ کی ہزاروں کتب بے کار ہو جائیں گی کیونکہ اول تو ان میں اس طرح صاحب کتاب سے اس واقعہ تک کے درمیان کی تمام کڑیاں نہیں بتائی جاتیں۔ سند کا رواج تو اسلام نے آکے شروع کیا اور اگر کسی نے کوئی درمیانی واسطہ بتا بھی دیا تو اس کی سوانح عمری پر اطلاع پانا تو محالات میں سے ہے۔ اس طرح دنیا کے تمام ملکوں کی تاریخ کو خیر آباد کہنا ہوگا۔

روایت نمبر 10: جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو بچیوں نے یہ گیت گایا **طلع البدر علینا**۔

ایک مشہور تاریخی واقعہ ہے۔ اسے ٹیکنیکل طور پر تو ضعیف کہا جا سکتا ہے مگر عملاً یہ ایک نہایت ثقہ روایت ہے جس کی ثقاہت پر خود وہ نغمہ ہے جو چودہ سو سال سے امت میں رائج ہے اور آج بھی بچے اسی یاد میں گاتے ہیں۔ گویا یہ روایت تو درجہ تواتر کو پہنچی ہوئی ہے۔

روایت نمبر 11: کلمۃ الحکمۃ ضالۃ المومن۔

یہ حدیث بھی نہایت حکیمانہ قول پر مبنی ہے۔ اور صحاح ستہ میں شامل ہے۔ امام ترمذی نے اسے درج کیا ہے (ترمذی ابواب العلم باب ما جاء فی فضل الفقہ) اگر یہ اتنی ہی کمزور روایت ہوتی تو امام ترمذی اسے ہرگز جگہ نہ دیتے۔ ہاں اس کے ایک راوی ابراہیم بن فضل پر جرح کی گئی ہے مگر وہ جرح اس کے کسی جھوٹ یا بد دیانتی پر نہیں کی گئی بلکہ ان کی یادداشت اور حفظ میں کمزوری پر کی گئی ہے۔ بڑھاپے میں عموماً یادداشت کمزور ہو جاتی ہے اور نام وغیرہ یاد نہیں رہتے مگر یہ روایت ایسی ہے جس میں بھولنے کا کوئی جواز نہیں ہے اسی لئے امام ترمذی نے اسے اپنی سنن میں جگہ دی ہے۔ نیز یہ روایت امام ابن ماجہ نے بھی اپنی سنن میں لی ہے (سنن ابن ماجہ کتاب الزھد باب الحکمۃ) پس صحاح ستہ میں سے دو کتب میں اس روایت کا درج ہونا اس کی ٹیکنیکل ثقاہت کی بھی دلیل ہے۔

روایت نمبر 12: ابغض الحلال عند اللہ الطلاق۔

تعجب ہے کہ پہلے یہ اعتراض کیا گیا کہ یہ روایات صحاح ستہ میں سے نہیں ہیں۔ مگر یہ روایت تو سنن ابو داؤد کی ہے۔ اور اس کی سند متصل مرفوع ہے اور تمام راوی ثقہ ہیں پھر اس پر اعتراض کیسا؟ یہ روایت ابن ماجہ میں بھی درج ہے۔ (ابن ماجہ کتاب الطلاق باب طلاق السنۃ) ہاں اس کی اور بھی اسناد ہیں جن میں بعض راویوں پر جرح کی گئی ہے مثلاً عبید اللہ کو ضعیف کہا گیا ہے مگر ابوداؤد کی روایت میں یہ نہیں ہیں۔ جب ایک سند صحیح ہے تو دوسری اسناد میں جتنے بھی کمزور راوی ہیں ان کی بناء پر اس روایت کو کمزور نہیں کہا جا سکتا۔ اس سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ جس راوی پر جرح ہو اس کی بیان کردہ تمام روایات کو موضوع یا نا قابل قبول قرار دینا درست نہیں۔ بلکہ ایسی روایات کو نسبتاً زیادہ احتیاط سے دیکھ پرکھ لینا چاہئے۔

روایت نمبر 13: میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم پیدا بھی نہ ہوا تھا۔ تعجب ہے کہ اس حدیث کو موضوع کیسے قرار دیا گیا۔ یہ مسند احمد بن حنبل کی روایت ہے۔

(مسند احمد۔ مسند الشامیین حدیث العرباض بن ساریۃ)

اس حدیث کے راویوں میں عبداللہ بن ہلال اور بکیر بن عبداللہ کے بارے میں بعض محدثین نے مجہول ہونے کا کہا ہے یعنی ان کے بارے میں زیادہ معلومات نہ مل سکیں مگر ان پر کوئی طعن نہیں کیا گیا۔ مگر یاد رہے کہ یہ تین طریق سے مروی ہے۔ بعض کے نزدیک تو یہ سند صحیحین کے درجہ کی ہے۔ اسی لئے امام حاکم نے اسے مستدرک میں لیا ہے اس کے علاوہ طبرانی، ابن سعد، ابونعیم نے حلیہ میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں اور بزار نے اپنی مسند میں اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں بھی اسے درج کیا ہے۔ پس اس روایت کے بارے میں کہنا کہ یہ موضوع ہے درست نہیں۔

ایک روایت میں خاتم النبیین کے الفاظ آئے ہیں جبکہ معترض نے جس روایت کا ذکر کیا ہے اس میں نبی کا لفظ ہے ممکن ہے کہ آپ کی مراد یہ حدیث نبی کا نہ ہو اس لئے ایک اور روایت درج کی جاتی ہے جس میں نبی کے الفاظ ہیں مگر وہ جامع ترمذی نے لی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ آپ کو نبوت کب ملی تو آپؐ نے فرمایا کہ جب آدم روح اور جسم کی درمیانی حالت میں تھا۔

(الترمذی ابواب المناقب باب فی فضل النبی ﷺ)

اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن اور صحیح کا درجہ رکھتی ہے۔ اس روایت کو بھی امام حاکم نے اپنی مستدرک میں لیا ہے اس کے علاوہ ابن عساکر، حاکم، خطیب بغدادی، طبرانی نے بھی لیا ہے اور کنزالعمال میں بھی درج ہے۔ یہ روایت معمولی الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ تین صحابہ حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابن عباسؓ اور عبداللہ بن شخیر سے مروی ہے۔ پس محدثین کے نزدیک ایک مستند روایت ہے۔

روایت نمبر 14: لا المھدی الا عیسی ابن مریم

اسے منکر اور ضعیف کہا گیا ہے۔ حدیث کی ثقاہت اور ضعف کے مضمون کو سمجھنے کے لحاظ سے یہ روایت بہت اہم ہے۔ اس کے ایک راوی محمد بن خالد الجندی پر بعض محدثین کی طرف سے جرح کی گئی ہے۔ جبکہ اسی راوی کو بعض نقاد حدیث نے ثقہ قرار دیا ہے اور ان سے روایات لی ہیں جیسے امام شافعیؒ جو زبردست نقاد ہیں نے ان سے روایات اخذ کی ہیں پس ان کے مطابق یہ ثقہ راوی ہیں اسی طرح ابن معین نے اس کو ثقہ قرار دیا ہے (تہذیب التہذیب 9:144) پس کسی محدث کی رائے کو ہی حتمی قرار دے دینا ہرگز درست نہیں۔ عموماً دیکھا گیا ہے کہ اگر کسی نے کسی کو ضعیف کہا ہے تو دوسرے نے ثقہ کہا ہے۔ پھر جنہوں نے ضعیف کہا ہے ان کی تحقیق بھی کبھی حرف آخر نہیں ہوسکتی اور اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ اس راوی کو جھوٹ بولنے کی عادت ہے تو پھر بھی یہ ثابت کرنا کہ وہ معین روایت بھی اس نے گھڑی ہے آسان نہیں اور جب ہم وجہ وضع تلاش کرتے ہیں تو کوئی وجہ نظر نہیں آتی کیونکہ اس روایت کو بنا لینے سے کسی کو کوئی فائدہ نہ پہنچنا تھا بلکہ عوام الناس اور بعض علماء کے عقیدہ کے بھی یہ خلاف روایت تھی اس لئے عقلاً کسی وضاع کے ذہن میں یہ روایت نہیں آسکتی۔

جب اس روایت کو ہم قرآن کریم پر پیش کرتے ہیں تو اسے مانے بغیر چارہ نہیں رہتا۔ کیونکہ قرآن کریم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وفات شدہ مانتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو وفات پا جائے وہ دوبارہ دنیا میں نہیں آسکتا۔ جبکہ احادیث کثرت کے ساتھ بلکہ تواتر کے ساتھ خبر دے رہی ہیں کہ مسیح علیہ السلام نے امت میں نازل ہونا ہے اب یا تو ان تمام احادیث کو جو نہ صرف ثقہ ہیں بلکہ تواتر کے درجہ پر پہنچی ہوئی ہیں رد کرنا پڑے گا جو امر محال ہے۔ تو پھر صرف ایک ہی رستہ باقی رہ جاتا ہے کہ یہ پیشگوئی استعارے کی زبان میں بیان ہوئی ہے اور مسیح کا آنا ان کے کسی مثیل کا آنا ہے۔ چنانچہ یہ حدیث ہماری اس تطبیق کی تصدیق کرتی ہے کہ ہاں مسیح کے آنے سے مراد ان کے مثیل کا آنا ہے جو امام مہدی ہیں۔ گویا امام مہدی کو ہی مسیح کا خطاب دیا جائے گا اور وہی مسیح موعود ہوں گے۔

اس حوالے سے جب ہم اس روایت کے متابع وشواہد تلاش کرتے ہیں تو بہت سی روایات ملتی ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ امام مہدی ہی مسیح موعود ہوں گے یا مسیح موعود ہی امام مہدی ہوں گے۔ جیسے فرمایا **یوشک من عاش منکم ان یلقی عیسی ابن مریم اماما مھدیا و حکما عدلا** (مسند احمد بن حنبل 2:411) پس یہی ایک معیار کسی حدیث کو پرکھنے کا سب سے عمدہ اولی اور افضل ہے کہ اسے قرآن کریم پر پرکھا جائے۔

☆..........☆..........☆

اداریہ

رسول کریم ﷺ کا ایک عظیم الشان رؤیا

ہمارے آقا و مولیٰ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ اللہ تعالیٰ کی صفت علیم کے بھی مظہر کامل تھے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک گزرنے والے واقعات کی خبریں دیں۔ کبھی تفصیلی، کبھی اجمالی، کچھ لفظوں میں، کچھ نظاروں میں، کچھ جاگتی آنکھوں سے، کچھ خوابیدہ حالتوں میں۔

آپ پر جو علم غیب کھولا گیا۔ اس کا بہت سا حصہ وقوع میں آچکا ہے اور بہت کچھ معرض وجود میں آرہا ہے اور قیامت تک آتا رہے گا۔ آپ کا ہر غیبی کلام پورا ہو کر آپؐ کی صداقت پر مہر لگاتا ہے اور آپؐ کا ہر خواب سچا ہو کر آپ کی عظمت کی گواہی دیتا ہے۔

خوابوں کی دنیا میں ایک عارفانہ نکتہ یہ ہے کہ کئی دفعہ ان کو پورا کرنے کے لئے انسانی وسائل کام میں لانے پڑتے ہیں۔ خصوصاً انبیاء اور خلفاء کے رویا وکشوف کو عمل میں ڈھالنے کے لئے ان کے متبعین کو اللہ تعالیٰ محنت اور جفاکشی کے دور سے گزارتا ہے اور انہیں ثواب کا موقع دیتا ہے جیسے روم اور ایران کی فتوحات میں نظر آتا ہے۔ صحابہؓ نے جانوں پر کھیل کر یہ علاقے زیرنگیں کئے اور رسول اللہؐ کی جنگ احزاب کے ایام کا نظارہ وجود میں آیا۔

ایسا ہی ایک عظیم الشان خواب رسول کریم ﷺ کا وہ ہے جس کی تعبیر 1400 سال سے ظاہر کرنے کے لئے بیشمار وجود برسرعمل رہے اور آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے وہ عظیم رؤیا یہ ہے۔

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا میرے سامنے گزشتہ امتیں پیش کی گئیں۔ میں نے دیکھا کہ کسی نبی کے ساتھ چھوٹا سا گروہ ہے اور کسی کے ساتھ ایک دو آدمی ہیں اور کسی نبی کے ساتھ کوئی بھی نہیں۔ اسی اثناء میں ایک بہت بڑا انبوہ عظیم میرے سامنے لایا گیا۔ میں نے خیال کیا یہ میری امت ہے لیکن مجھے بتلایا گیا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کی امت ہے۔ آپ افق کی طرف دیکھیں۔ جب میں نے نظر اٹھائی تو کیا دیکھتا ہوں کہ لوگوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے پھر مجھے کہا گیا کہ اب دوسرے افق کی طرف دیکھیں میں نے دیکھا کہ اس طرف بھی لوگوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے۔ مجھے بتلایا گیا کہ یہ میری امت ہے اور ان میں ستر ہزار لوگ ایسے ہیں جو بلا حساب اور ہر قسم کی باز پرس یا سزا کے بغیر جنت میں داخل ہوں گے۔

(بخاری کتاب الرقاق باب یدخل الجنۃ سبعون الفاً حدیث نمبر 6541)

یہ وہ معرکۃ الآراء خواب ہے جس کی تعبیر ہر عاشق رسولؐ پر قرض ہے۔ اسے پورا کرنے کی جدوجہد میں صحابہ رسولؐ، خلفاء راشدین، مجددین، اولیاء، اقطاب، ابدال اور ہزارہا اہل اللہ نے دنیا کے ہر خطہ میں حصہ لیا۔ رسول کریمؐ کے اخلاق دکھا کر آپ کی تعلیم اپنا کر، آپ کے نمونے ظاہر کر کے لاکھوں مخالفین کو آپ کا والہ وشیدا بنایا مگر یہ منزل ابھی دور ہے۔

حضرت مسیح موعود نے قلمی جہاد اور دعاؤں کے ذریعہ دعوت الی اللہ کے اس جہاد کو نیا رنگ عطا کیا اور پھر آپ کے موعود بیٹے حضرت مصلح موعود نے 1934ء میں تحریک جدید کے ذریعہ اس مہم کو منظم بنیادوں پر قائم کر دیا۔ مذہب کی تاریخ میں دعوت الی اللہ کی اس قدر جامع، وسیع الجہت اور مستقل سکیم اس سے قبل ہمیں نظر نہیں آتی جو ایک واجب الاطاعت اور خدا کے مقرر کردہ امام کے ہاتھ میں ہو۔ ہزاروں مربیان اس کے لئے تن من دھن قربان کر بیٹھے ہوں۔ داعیان الی اللہ اور واقفین نو کی ایک روحانی فوج ظفر موج ان کی پشت پر ہو۔ جس کے لئے ہر احمدی اپنے مال کا ایک قیمتی حصہ قربان کر رہا ہو۔ جس مالی قربانی میں مرحومین سے لے کر نوزائیدہ اور شیرخوار بچے بھی شریک ہوں۔ الحمد للہ کہ یہ سکیم 82 سال سے جاری ہے اور ہر روز نئی فتوحات کے مژدے سناتی ہے۔

☆ 207 ملکوں میں دین حق کا پیغام ہوا 72 زبانوں میں قرآن کے تراجم اور نمائشیں۔

☆ متعدد زبانوں میں احادیث رسول ﷺ کا دلکش پیغام ہوا حضرت مسیح موعود کے علمی خزائن اور خلفاء سلسلہ کے بابرکت کلمات اور خطبات۔

☆ جگہ جگہ خدا کے گھروں کی تعمیر ہوا ملک ملک مشن ہاؤسز اور مراکز دعوت الی اللہ میں اضافے کا پروگرام ہو۔

☆ ہواؤں کے دوش پر اڑنے والی سچی آوازیں اور دل موہ لینے والی تصویریں ہوں یا چھوٹے چھوٹے لیف لیٹس اور فولڈر۔

☆ ہر سال 5 لاکھ کے لگ بھگ نئے آنے والوں کا استقبال ہوا ان کی تربیت و تعلیم کی سکیمیں ہوں۔

یہ سب ہتھیار رسول کریم ﷺ کے اس خواب کو پورا کرنے کی ادنیٰ اور عاجزانہ کوششیں ہیں۔ جس کی تعبیر دیکھنے کے لئے لاکھوں کروڑوں دنیا سے گزر گئے۔ پس ہر وہ شخص جو اس کے لئے کچھ بھی کوشش کرتا ہے وہ مبارکباد کا مستحق ہے اور ضرور اجر کا مستحق ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ کے ایک عاشق سردار فیروز الدین صاحب امرتسری 1918ء میں پیدا ہوئے۔ 1934ء میں احمدی ہوئے۔ 1945ء میں نظام وصیت میں شامل ہوئے۔ تحریک جدید کے اولین مجاہدین میں آپ کا نام شمار ہوتا ہے تحریک جدید کی شائع کردہ فہرست پانچ ہزاری مجاہدین 1934ء تا 1953ء میں ان کا نام شامل ہے۔ ان کی وفات 2002ء میں ہوئی مگر آپ نے 1934ء تا 2034ء پورے سوسال کا تحریک جدید کا چندہ ادا کرنے کی توفیق پائی۔ (روزنامہ الفضل 23/اپریل 2004ء)

سیدنا حضرت مصلح موعود کو اس تحریک سے کتنی دلچسپی تھی اس کا ذکر کرتے ہوئے محترم منیر احمد صاحب بانی جو دفتر اول کے مجاہدین میں شامل تھے۔ لکھتے ہیں کہ:

ایک دن میں والدہ صاحبہ کے ہمراہ ایک بار حضرت مصلح موعود کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضور نے والدہ صاحبہ سے تحریک جدید میں شمولیت کے بارہ میں دریافت فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں اور سیٹھ صاحب 1934ء سے ہی شامل ہیں۔ حضور نے فرمایا۔ آپ دونوں کے متعلق تو مجھے علم ہے۔ میں بچوں کے بارہ میں پوچھ رہا ہوں۔ اس پر والدہ صاحبہ نے اپنے تینوں بیٹوں اور دو بیٹیوں کی طرف سے دس روپے سالانہ کے حساب سے دس سال کے لئے مبلغ پانچ صد روپے وہیں ادا کر دیئے۔ حضور نے بہت خوشنودی کا اظہار فرمایا۔ رقم دفتر میں بھجوا دی اور دو تین روز بعد ہمیں اپنے دستخط سے مزین سرٹیفیکیٹ خود عطا فرمائے۔ (الفضل 28 فروری 2011ء)

انہی معمولی رقموں سے قطرہ قطرہ دریا بن رہا ہے۔ شیطان بھاگ رہا ہے۔ حق غالب آرہا ہے اور یہ خواب اپنی آخری تعبیر کی جانب رواں دواں ہے۔

خدا کرے کہ یہ خواب جلد پورا ہو اور ہم سب اپنے آقا کے حضور سرخرو ہوسکیں۔

جمالیات قدرت کا بیان اور حمد

وہ بہاروں میں گلوں کا مسکرانا خوب ہے
اور ہوا سے جھولنا نکہت لٹانا خوب ہے

فرش کا سجنا وہ ہریالی کی چنری اوڑھ کر
بخشنا آنکھوں کو راحت دل کو بھانا خوب ہے

مستی بادِ بہاری میں عجب تاثیر ہے
سبزہ و گل کی نمو کا یہ زمانہ خوب ہے

طائران خوشنوا کو قدرت رحمان کا
وسعت افلاک میں ہر پل اڑانا خوب ہے

آسماں پر سرمئی کالی گھٹا کا جھومنا
نم ہوا کا گیت گانا گنگنانا خوب ہے

پہن کر پوشاک رنگیں اور حسین و دلنشیں
تتلیوں کا باغ میں وہ آنا جانا خوب ہے

جگنوؤں کا جھلملا کر برکھا رُت کی رات میں
گلشن و گلزار میں شمعیں جلانا خوب ہے

وقت پر اس کا لگانا پھل، اُگانا کھیتیاں
اور ان میں بادلوں کا آب لانا خوب ہے

چاند تاروں میں وہ رکھنا نور کی اپنے جھلک
اور سماء کو حسن سے اپنے سجانا خوب ہے

کس قدر رنگین ہیں یہ جلوہ ہائے کائنات
آئینوں میں اس کا یہ چہرہ دکھانا خوب ہے

ہے وہ اربوں سورجوں اور کہکشاؤں کا خدا
عالمیں کو اس کا قدرت سے بنانا خوب ہے

عالم دیوانگی میں اس کی کائنات کا
گرد اس کے گھومنا چکر لگانا خوب ہے

جن کو اس کی دھن لگی اس بن وہ جی سکتے نہیں
عاشقوں کا قرب میں اس کے ٹھکانا خوب ہے

ہے مجازی عشق فانی اور پھر ہے بے ثمر
دل کو جو اس سے لگائے وہ دیوانہ خوب ہے

ہے حقیقی عشق ہی سب کے لئے وجہ نجات
آستاں پر اس کے ہی سر کو جھکانا خوب ہے

جس کی تابانی نے ذروں کو بھی تاباں کر دیا
چاند اور سورج سے دنیا کو سجانا خوب ہے

امۃ الرشید بدر